Causes of the Decline of Urdu Qasida Writing

اُردو قصیدہ نگاری کے زوال کے اسباب

Syeda Dur-E-Fatima Batool*[1]
Research Scholar, Department Of Urdu, GC University Faisalabad..
Shehr Bano*[2]
Research Scholar, Department Of Urdu, GC University Faisalabad.
Dr.Saima Iqbal*[3](Corrrespondance author)**
Assistant Professor, Department Of Urdu, GC University Faisalabad.

☆[1] **سیدہ درِ فاطمہ بتول**

ایم۔فل اسکالر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

☆[2] **شہر بانو**

ایم۔فل اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

☆[3] **ڈاکٹر صائمہ اقبال**

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Correspondance: saimaiqbalgcuf752@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 20-04-2025
Accepted:26-06-2025
Online:30-06-2025

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the

ABSTRACT: The demise of the courtly system led to the decline of the Qasida ,because the primary purpose of the Qasida was to flatter, praise, and ingratiate oneself with nobles and rulers. Poets had turned the Qasida into a means of obtaining rewards and honors. After the War of Independence in 1857 in the subcontinent. People's minds shifted from imperialism towards democracy. Because the British were in power and there were no longer those who could understand or praise the Qasida, which was a major reason for its decline. With the rise of industrial development in the nineteenth and twentieth centuries, the working class began to be seen in a positive light. Political, social, and literary efforts were made for them. Thus, industrial development also contributed to the decline of the Qasida. The Progressive Movement also targeted the genre of the Qasida. The Progressive Movement and

terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

industrial development accused the Qasida of being merely a means of earning money and flattery, which led most writers to avoid it. Additionally, the length of the Qasida also contributed to its decline."

KEYWORDS: Qasida, Decline ، Urdu Qasida، 1857 War, Industrial Development. Progressive Movement.

تمہید:

قصیدہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ "قصد" ہے۔ جس کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔یعنی قصیدے میں شاعر کسی موضوع پر بات کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔قصیدہ عربی زبان سے فارسی زبان نے مستعار لی اور پھر فارسی زبان سے اردو زبان میں مستعار لی گئی صنف سخن ہے۔مولانا جلال الدین احمد جعفری "تاریخ قصائد اردو" میں لکھتے ہیں:

"اہل لغت نے قصیدہ کے لغوی معنی سطبر (دلدار گودا) کے لکھے ہیں اور اصطلاح شاعری میں اس نظم کو کہتے ہیں جس میں مدح یا وعظ و نصیحت یا حکایت و شکایت وغیرہ موزوں ہوں۔ وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کیونکہ اس میں ایسے مضامین عالی اور کثیر مندرج کیے جاتے ہیں جو طبعی مذاق کے لیے لفظ لذت بخش ہوتے ہیں اس واسطے اس کو قصیدہ کہتے ہیں یا یہ کہ وہ با اعتبار معنی و مضمون دوسری اصناف سخن میں ممتاز ہیں جس طرح کے تمام اعضاء میں سر اور مغز سر موقر اور نمایاں ہے اس مناسبت سے اس سخن کو مغز سخن سمجھ کر قصیدہ کہا گیا از روئے صرف قصیدہ واحد ہے اور اس کی جمع قصائد ہے۔"(1)

عربی کی طرح ترکی، فارسی اور اردو ناقدین شعرا، ادیبوں اور لغات نویسوں کا تصور قصیدے کے بارے میں ایسا ہی رہا ہے۔ترکی انگریزی لغت کا مولف کہتا ہے کہ:

"قصیدہ (قصائد جمع ہے) سات یا بارہ شعر سے زیادہ کی نظم کا نام ہے اور جو پانچ سو شعر تک کی ہو، اور عربی قاعدے پر منظوم ہو اور ہم قافیہ ہو۔"(2)

"جوش عظیم آبادی نے اپنے دیوان کے دیباچے میں شعر کی بارہ قسمیں بتائی ہیں۔ ان کے نزدیک قصیدے کی تعریف یہ ہے کہ مطلع ہو اور اشعار کی تعداد سولہ سے کم نہ ہو۔"(3)

مولانا امداد امام اثر کہتے ہیں:

"جس طرح غزل پانچ شعر سے کم کی نہیں ہوتی اسی طرح قصیدہ اکیس شعر سے کم کا نہیں ہوتا۔"(4)

قصیدہ کسی ایک موضوع تک محدود نہیں رہتا۔ مدح کے علاوہ اس میں شہر آشوب، ہجو اور دوسرے مضامین بھی قلم بند کیے جاتے ہیں۔ پروفیسر ایف کرنیکو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں لکھتے ہیں:

"قصیدہ اور (بعض حالات میں) قصیدہ عربی (فارسی اور ترکی وغیرہ) منظومات کی ایک صنف کا نام ہے جو کسی قدر طویل ہو یہ لفظ عربی مادہ قصد سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں ارادہ کرنا........"(5)

ابن رشید نے ایک اور قول نقل کیا ہے:

"بعض لوگ قصیدہ اس سے سمجھتے ہیں جس کے اشعار کی تعداد دس سے تجاوز کر جائے خواہ ایک ہی شعر زائد ہو۔"(6)

عربک انگلش ڈکشنری کا مؤلف کہتا ہے کہ:

"قصیدہ اسے کہتے ہیں جس میں سات یا دس شعر سے کم نہ ہو۔"(7)

قصیدہ کے مقبولیت کے اسباب:

دکن میں عہد بہمنی میں بزرگان دین کی شان میں قصیدے کہے گے اور عادل شاہی عہد میں علی عادل شاہ ثانی شاہی نے اور اس کے ملک الشعراء نصرتی نے بلند پایا قصیدے تخلیق کیے جبکہ قطب شاہی دور میں قلی قطب شاہ، عبد اللہ قطب شاہ اور غواصی وغیرہ نے قصیدے میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ اس سلسلے میں ولیؔ اور سراجؔ کے نام بھی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ولیؔ کی بدولت ریختہ کی دوسری تمام اصناف کے ساتھ قصیدہ بھی شمالی ہند میں پہنچا تو شاہ حاتمؔ، سوداؔ، میرؔ، مصحفیؔ، انشاءؔ، غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ، داغؔ، محسنؔ، امیرؔ اور جلیلؔ وغیرہ نے اس صنف میں نہ صرف طبع آزمائی کی بلکہ مختلف تجربات بھی

کیے۔مثال کے طور پر کسی نے حمدیہ قصیدے، کسی نے نعتیہ قصیدے، کسی نے وعظیہ قصیدے، کسی نے ہجویہ قصیدے لکھے۔سب سے زیادہ مدحیہ قصیدے کہے گئے کیونکہ اس سے شعر کے ذاتی مفادات کی تکمیل ہوتی تھی اور ان کی ضروریات پوری ہو جاتی تھیں۔

نصرتی اردو کا پہلا شاعر ہے اس نے صنف قصیدہ کو صحیح طور پر برتا۔اس نے کل 12 قصیدے کہے۔قصیدے کی موضوعات میں ہجو کو بھی بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، نصرتی نے ہجو کو جو قصیدے کا باقاعدہ موضوع بنایا۔مولانا حالی کہتے ہیں:

> "خود مختار بادشاہ جن کا کوئی ہاتھ روکنے والا نہیں ہوتا اور تمام بیت المال جن کا جیب خرچ ہوتا ہے ان کے بے دریغ بخشش شعراء کی آزادی کے حق میں سم قاتل ہوتی ہے۔وہ شاعر جس کو قوم کا سر تاج اور سرمایہ افتخار ہونا چاہیے تھا ایک بندہ ہوا و ہوس کے دروازے پر دریوزہ گروں کی طرح صدا لگاتا میں نے توصدا اور شیئاً للہ کہتا ہوا پہنچتا ہے۔"(8)

لوگ خواہش کرتے تھے کہ کاش فلاں شاعر کے قصیدے میں ہمارا بھی تذکرہ ہو جائے۔عورتیں خواہش کرتی کہ شاعر قصیدے میں ہم سے تشبیب کرے۔دور عباسیہ میں یہ انعام واکرام انتہا تک پہنچ گیا۔عباسی درباروں نے شعراء پر جتنا روپیہ خرچ کیا دنیا کی تاریخ اس کی مثال مشکل سے ہی پیدا کر سکے گی۔غواصی اردو کا پہلا شاعر ہے جس نے باقاعدہ درباری قصیدے لکھے۔اس کے ہاں قصیدہ نگاری کا فطری مزاج ملتا ہے۔غواصی کے قصائد پر ڈاکٹر زور کا تذکرہ زیادہ جامع ہے، وہ کہتے ہیں:

> "اتنے زیادہ اور اتنے طویل اور اتنے عمدہ قصائد کسی دکنی شاعر کے ہاں اب تک دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔تعداد اور تنوع کے لحاظ سے موجودہ معلومات کی حد تک غواصی دکن کا سب سے بڑا قصیدہ نگار ثابت ہوتا ہے"(9)

اردو میں قصیدہ نگاری کے زوال کے اسباب:

لفظ قصیدہ سنتے ہی ہمارے ذہن میں مدح و تعریف اور مبالغہ آرائی ایک حد تک غلو کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔یعنی اس سے مراد ایک ایسی صنف لی جاتی ہے جس کا حقیقت سے کوئی خاص تعلق نہیں۔قصیدہ کے محدود دائرہ مضامین میں جھوٹی تعریف، مبالغہ آرائی، خوشامد پرستی، ضمیر فروشی، دربار پروری اور انعام و کرام کی خواہش میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دینا وغیرہ شامل ہے۔

قصیدے کے موضوعات میں وسعت کے باوجود بھی یہ برصغیر میں تنگ دامن ہی رہا۔ ایک حکمران کے اچھے یا برے ہونے کا دارومدار اس بات پر ہوتا تھا کہ وہ کس حد تک شاعری کی سرپرستی کرتا ہے، چونکہ ابتدا سے ہی حکمران طبقہ کی تربیت اس طرح ہوتی کہ اس میں مذاقِ شعری پیدا ہو جاتا۔ شاعر حضرات درباروں میں نوازے جاتے تھے جس کی وجہ سے ہر شاعر دربار تک رسائی کا خواہش مند رہتا۔ نوازش اور کرم گستری درباروں کی فطرت بنتی چلی گئی۔

اردو قصیدہ نگاری کے زوال کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس وقت اردو زبان اپنی ابتدائی حالت میں تھی جبکہ قصیدے کے لیے ایک وسیع زبان درکار تھی۔ اردو قصیدہ نگاری کے زوال پذیر ہونے کی وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اردو شاعری کی ابتدا دکن سے ہوئی یہاں شعراء دو طبقوں میں تقسیم تھے۔ پہلا طبقہ بادشاہوں جب کہ دوسرا طبقہ درویشوں اور صوفیانہ مسلک کے شعرا کا تھا۔ بادشاہ قصیدہ کیوں لکھتے اس طرح زبان کی تنگ دامنی اور دیگر شعراء کی درویش فطرت کی بدولت اردو قصیدے میں وہ زور و اثر پیدا ہی نہ ہو پایا جو فارسی قصیدہ گویوں کے ہاں پایا جاتا تھا۔ قصیدہ نگاروں کی حوصلہ افزائی دربار سے ہوتی تھی۔ جب درباری نظام ہی ختم ہو گیا تو پھر قصیدہ لکھا کس لیے جائے اور نہ ان قصیدہ نگاروں کو انعام و کرام سے نوازنے والا کوئی بچا۔ جس کی وجہ سے قصیدہ نگاری زوال کا شکار ہو گئی۔ کلیم الدین احمد قصیدہ کے زوال کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "قصیدہ اپنی دشواری کی وجہ سے ہر دل عزیز نہ ہو سکا اور شعرا میں قبول عام کی سند حاصل نہ کر سکا لیکن اپنی دشواری کی وجہ سے قصیدے کی اتنی تعریف ہوئی جس کا یہ سزاوار نہ تھا۔ اس صنف میں بہت بہت سے نقائص ہیں۔"(10)

غدر سے قبل شاعر کو امراؤ سلاطین کے رجحانات کا احترام ضروری تھا۔ غدر کے بعد اس صورت کے ساتھ ساتھ عوامی رائے کے احترام سے بھی شاعر شاعر کہلاتا تھا۔ اس طرح دو گروہ بن گئے مگر درباری گروہ عوامی گروہ پر حاوی نہ ہو پایا۔ قصیدہ جو ایک ممتاز سخن تھا اب ریاستوں کی چار دیواری تک ہی محدود رہ گیا۔ درباری قصیدے خوشامد میں لکھے گے جو کہ آنکھ بند کر کے لکھے گئے۔ قصیدے کی فارم غزل کی فارم تھی اگر طویل قصیدہ کہنا ہو تو سینکڑوں قافیوں کی ضرورت پیش آتی تھی۔ لفظوں کا سرمایہ میں محدود تھا کیونکہ اردو زبان کی بھی شروعات ہی تھی۔ اردو شعرا نے اس صنف میں صرف اور صرف ہجو، مدح سرائی اور ذاتی مفاد کو ملحوظ خاطر رکھا اسی لیے بادشاہت کے خاتمے ہی کے ساتھ قصیدہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ روایتی اسلوب کو نبھانے میں جہاں اکثر شعرا کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا وہیں دیگر اسالیب کو پروان چڑھنے کا موقع نہ ملا۔ غزل کی ترقی کے باوجود متغزلانہ رنگ کے قصیدے اردو میں زیادہ نہیں لکھے جا سکے۔

دکنی قصائد کا فطری رنگ پہلے ہی روایتی معیار کی زد میں آ گیا۔ کافی وقت بعد لکھنو کے بعض قصیدہ نگاروں نے ایک نیا لہجہ دیا لیکن اسے بھی روایتی معیار کے زیر اثر عام طور پر قصیدہ کے انحطاط سے تعبیر کیا گیا۔ رنگا رنگ مستقل اسالیب نہ پانے کی وجہ

سے اس صنف میں وہ صلاحیت پیدا ہی نہ ہو سکی جو ایک اسلوب کے زوال کے بعد دوسرے اسلوب میں پیدا ہوتی ہے۔امداد امام اثر"کاشف الحقائق"میں قصیدے کے زوال کے بارے میں لکھتے ہیں:

"در حقیقت اردو کے قصائد بیشتر تنگ دائرہ خیال میں محدود پائے جاتے ہیں، خاص کردہ قصائد جو درباری رنگ رکھتے ہیں۔ایسے قصائد کے مضامین ہمیشہ ان خیالات پر مشتمل ہیں جن کو نہ کوئی راست باز، صحیح مزاج، شریف آدمی زبان پر لا سکتا ہے اور نہ راست باز، صحیح مزاج، شریف آدمی سن سکتا ہے۔"(11)

ایک اور دوسری جگہ امداد امام اثرؔ"کاشف الحقائق"میں قصیدہ کی زبان نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حقیقت حال یہ ہے کہ کثرت مدح سرائی سے قصیدے کی غرض فوت ہو گئی ہے۔۔۔۔۔قصیدہ گوئی کا مطلب یہ ہے کہ شاعر اعلیٰ درجے کے مضامین داخلی اور خارجی کو پسندیدہ عنوان سے پیرایۂ نظم میں بیان کرے۔۔۔۔۔"(12)

حالیؔ نے تو اسے اپنی مسدس(مد و جزر اسلام1879)کے ایک شعر میں سنڈاس سے برتر تعبیر کیا۔الغرض قصیدہ ایک ایسی صنف سخن ہے جس کو جدید تنقید میں سب سے زیادہ ہدف ملامت بنایا گیا ہے۔

حالیؔ اور اثرؔ نے جس زاویہ نگاہ سے قصیدے پر تنقید کی ہے انہوں نے اس کے تین پہلو بیان کیے ہیں۔سب سے پہلے انہوں نے قصیدے کے دائرہ مضامین جھوٹی تعریف اور مبالغہ آرائی پر حملہ کیا ہے۔اس کے بعد انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ قصیدے کی اصلی غرض وغایت وہ تو نہ تھی جو ہونی چاہیے تھی۔جو کئی برسوں سے اس کی روایت کو برقرار رکھے ہوئے تھی اور آخر میں ان دونوں نے اس کو حقیقت نگاری میں ڈالنے کی تجویز پیش کیں۔ان دونوں شعرا کانقطہ نظر اصلاحی تھا۔ان دونوں شعراء کے ہاں جدید رجحانات اور مذہبی جوش کی آمیزش بھی پائی جاتی ہے۔

حالیؔ اور اثرؔ نے قصیدے کے محدود دائرہ مضامین مثلاً جھوٹی تعریف اور مبالغہ آرائی پر جو تنقید کی ہے وہ تو ٹھیک ہے۔انہوں نے جو قصیدے کے غلط استعمال پر جو افسوس کا اظہار کیا ہے وہ اپنی جگہ بجا ہے۔انہوں نے اصلاح کے لیے جو تجویزیں پیش کی تھیں وہ بھی اپنی جگہ درست ہیں۔ان کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، لیکن حالی اور اثر نے جو تنقید قصیدے پر کی تھی وہ زمانے کی تنقید مانی جاتی ہے۔جب قصیدہ کی یہ صنف بے وقت کی راگنی ہو چکی تھی۔جیسے شاعری میں دوسری اصناف سخن کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا گیا تھا اسی طرح قصیدے کی اصلاح کا بھی بیڑا اٹھانا ایک لازمی امر تھا۔لیکن اب جب کہ یہ صنف

ادبی اعتبار سے ختم ہو چکی تھی اور زوال پذیر بھی ہو گئی تھی تو سب سے اہم بات جو قصیدہ میں سب سے زیادہ مورد الزام ٹھہرائی گئی تھی وہ جھوٹی تعریف اور مبالغہ آرائی تھی۔ اس کی وجہ سے قصیدے کی صنف زوال پذیری کی طرف چلی گئی۔ کیونکہ جب درباری نظام ہی نہیں رہا تو پھر جھوٹی تعریف اور مبالغہ آرائی کس کی کی جاتی۔ اس طرح سے قصیدے کا زوال کی طرف جانا ضروری تھا۔ ویسے بھی قصیدے پر خوشامد پسندی، ضمیر فروشی اور ذلت پرستی کا الزام لگایا گیا ہے۔ قصیدے میں جو خوشامد پرستی یا ضمیر فروشی کا پہلو تھا اس کا مقصد درباری بادشاہوں کی تعریف کرنا اور ان سے انعام و کرام حاصل کرنا تھا جو کہ قصیدہ کی ادبی صنف کے خلاف تھا۔ اس کی وجہ سے قصیدہ کو وہ ادبی حیثیت حاصل نہ ہو پائی جو ہونی چاہیے تھی۔

قصیدے کی زوال پذیری میں اولاً غزل کی گرم بازاری تھی اور جدید شاعری کو جو شہرت حاصل ہو رہی تھی قصیدے کے زوال کی بڑی وجہ بنی۔ جدید شاعری کی تحریک کے زیر اثر قصیدے میں کچھ تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں۔ کچھ شعراء نے اس کی ادبی حیثیت کو بیسویں صدی عیسوی میں بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن حقیقت میں اس صنف کی ادبی حیثیت معدوم ہو چکی تھی۔ ایک زمانہ میں اس کی جو ادبی حیثیت تھی اس کو شعراء نے کمال کسوٹی پر رکھا ہوا تھا یا پھر کمال کسوٹی پر سمجھا جاتا تھا۔ لیکن بتدریج اس کی ادبی صورتحال اس کے برعکس ہو گئی۔ ابو محمد سحر نے "اردو میں قصیدہ نگاری" میں لکھا:

> "قصیدہ ایک مخصوص سماج کی پیداوار اور ایک محدود طبقے کی میراث تھا۔ سماجی اور ادبی تبدیلیوں کے تحت اس کا ختم ہونا یقینی تھا۔ اس کا ادبی زوال خود اس کے اغراض و مقاصد اور حدود و امکانات پر ایک بہت بڑی تنقید ہے۔"(13)

سیاسی انقلاب کے ساتھ ساتھ معاشی اور معاشرتی انقلاب بھی آیا اور جاگیردارانہ نظام کی جگہ سرمایہ داری نظام نے لے لی۔ جس میں قصیدے کے لیے کوئی جگہ نہ رہی۔ مغربی اثرات کے زیر اثر بدلتے ہوئے سیاسی و معاشرتی حالات میں حقیقت نگاری کا رجحان بڑھنے لگا۔ طرز تعلیم کی تبدیلی کی وجہ سے آہستہ آہستہ مشرقی علوم سے وہ واقفیت نہ رہی جس سے قصیدے میں وزن پیدا ہوتا تھا۔ مغرب کے علوم کی ترویج و اشاعت نے لامذہبیت کو جنم دیا۔ جس کی بدولت مذہبی اعتقادات متزلزل ہونے لگے۔ جس سے مذہبی قصائد بھی ختم ہونے لگے۔ قصیدہ ثناء اور مدح مرکزیت کی وجہ سے شہنشاہیت اور سامنتی نظام کی شے ہے۔ جیسے جیسے یہ نظام زوال کا شکار ہوا قصیدہ میں بھی زوال کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

قصیدے میں اسلوب کی شان و شوکت اور گھن گرج، تشبیہات اور استعارات، شہنشاہی نظام کے دور عروج کی یادگار تھی۔ عربی اور فارسی میں متغزلانہ اور رنگین اسالیب کو بھی قصیدے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔ چنانچہ اردو شعر اعام طور پر خیالی اچھائیوں کے پیچھے دوڑنے میں ساری قوت لگا دیتے ہیں یہاں تک کہ ان کی قوت جواب دے گئی۔ کچھ حیران ہوں پریشان ان پر ہاتھ ڈال سکیں۔ لیکن زیادہ کا یہ حال ہوا کہ:

تھک تھک ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو نہ چار کیا کریں

ہندوستان میں بیسویں صدی کی تیسری تہائی میں جو صنعتیں اور کارخانے بنائے گئے تھے ان کے اثرات واضح طور پر سماجی زندگی پر بھی پڑے۔ انسانی زندگی مشینی ہوگئی اور اس طرح پھر انسانی زندگی کے نظریے اور زاویے بدلتے گئے۔ انسانوں کو اپنی روزی روٹی کمانے کی فکر لگ گئی۔ محنت، مشقت اور مشغولیت کو عزت و قار کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ اس طرح کی طرز زندگی کو مقبولیت بھی ہو رہی تھی یعنی اس طرح کی زندگی کو ایک اچھی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تھا۔ 1935ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے قیام کی وجہ سے نئے شاعر اور ادبا ترقی پسند تحریک کے علمبردار بن گئے۔ یہ ترقی پسندی اشتراکی خیالات کے قبول عام کے مترادف ہوگئی۔ روایت سے درایت اور سامراجیت سے جمہوریت کی طرف لوگوں کے ذہن منتقل ہو گئے۔ محنت اور مزدور کش طبقہ کو سربلندی عطا ہونے لگی۔ محنت اور مزدور کش طبقہ کے لیے سیاسی، سماجی اور ادبی کوششیں ہونے لگیں۔ جن پر خلوص کوششوں سے فائدہ بھی ہوا۔ لیکن اس کے برعکس دیکھا جائے تو صنعتی ترقی اور ترقی پسند تحریک نے اردو قصائد کو نقصان پہنچایا جو کہ اردو قصائد کے زوال کی ایک وجوہ بنی۔ "بیسویں صدی میں اردو قصیدہ نگاری" میں ڈاکٹر محمد کمال الدین رقمطراز ہیں کہ:

> "صنعتی ترقی اور ترقی پسند تحریک نے اردو قصائد کو بھی نقصان پہنچایا۔ اس لیے کہ قصیدہ نگاری پر صرف چاپلوسی، تملق اور کسب زر کا ذریعہ ہونے کا الزام لگایا گیا۔ نئے اذہان نے اسے شکوک و شبہات کی نظر سے دیکھنا شروع کیا۔ اس لیے بیش تر اہل قلم نے اسے چھوا بھی نہیں۔ دوسری طرف انسانی زندگی کی مصروفیت نے اتنا وقت عطا نہیں کیا کہ لوگ قصیدہ جیسی طویل صنف کو بیک نشست سن سکتے۔"(14)

علمی قصائد کے زوال کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عوام میں کم علمی تھی۔ 19ویں صدی میں انگریزوں کے حکمرانی کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے ویسے ہی تعلیم کو چھوڑا ہوا تھا جس کی وجہ سے اردو قصائد کو سمجھنا خاصا دشوار تھا۔ اس دور کے لوگوں میں وہ صلاحیت ہی نہ تھی جو ان سے پہلے لوگوں میں تھی۔ مثال کے طور پر جیسے دلی کے عام لوگ قصائد کی علمی لیاقت و صلاحیت کا شعور رکھتے تھے، انیسویں اور بیسویں صدی کے لوگ ویسا شعور نہیں رکھتے تھے کہ وہ ان کا قصائد کو سمجھ کر انہیں پسند کر سکتے اور مدح سرائی کر سکتے۔ جو کہ برصغیر میں قصیدے کے زوال کی بڑی وجہ تھی۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو اس دور میں قصیدے کی مذہبی، سیاسی اور سماجی حیثیت برقرار رہی۔ قصیدے کی صنف کو عام مقبولیت نہ ہونے کی وجہ سے شعرا نے

قصیدہ کو مذہبی سماجی اور سیاسی رنگ دینا شروع کر دیا۔ مذہبی قصائد میں حضور اکرم ﷺ، اہل بیت اور امام حسینؓ کی مدح سرائی کے علاوہ دیگر بزرگان دینؒ کی مداح سرائی ہونے لگی۔ ابو محمد سحر نے "اردو میں قصیدہ نگاری" میں لکھا کہ:

"مذہبی قصائد کا مقصد تعلیم اخلاق، مذہبی جوش کی آسودگی، اعتقادات کی ترویج، اور ثواب دارین کا حصول تھا۔ قصیدے نے شعوری نیم شعوری اور غیر شعوری طور پر کچھ اور مقاصد بھی سرانجام دیے۔"(15)

سیاسی قصائد میں دور حاضر کی سیاست یعنی اس وقت کے حاکم وقت کی مدح سرائی کی جاتی تاکہ سیاست کے حوالے سے قصیدہ کسی صنف کو برقرار رکھا جائے۔ انعام و کرام والا تو دور دلی اور لکھنؤ والا دور تھا۔ وہ درباری شعرا اور امراء سلاطین کا دور تھا۔ لیکن انیسویں صدی کے اس دور میں اس طرح انعام و کرام سے نوازا نہیں جاتا تھا۔ اس وجہ سے شعرا نے اس صنف کی ادبی حیثیت کو برقرار رکھنا چاہا۔ اس کے علاوہ سماجی قصائد میں معاشرے کی اچھائیاں اور برائیاں بیان کی جاتی تھیں۔ لیکن یہ سب چیزیں قصیدے کی ادبی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لیے تھیں کیونکہ عوام تو قصیدے کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ اس لیے قصیدے کی دو اقسام ہو گئیں۔ طویل قصیدے اور مختصر قصیدے۔ طویل وہ قصیدے مجموعوں اور رسالوں میں چھپنے لگ گئے کیونکہ ان کو پڑھنے اور سمجھنے والا کوئی نہ تھا۔ جب کہ مختصر قصیدے مجالس مقاصدہ میں پڑھے جانے لگے۔ "بیسویں صدی میں اردو قصیدہ نگاری" میں ڈاکٹر محمد کمال الدین لکھتے ہیں:

"علمی قصائد بازاری اور سماج میں علمی لیاقت و صلاحیت کے بحران نے بھی اس مہتم بالشان صنف پر بڑے منفی اثرات ڈالے۔ اس طرح قصیدہ کہنے اور سننے والے کی زبردست کمی ہو گئی۔ پھر بھی قصیدہ کی مذہبی سیاسی اور سماجی حیثیت واقع رہی اگرچہ درباری حیثیت ختم ہو گئی۔"(16)

"اردو میں قصیدہ نگاری" میں قصیدے کو پھر سے رائج کرنے کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ:

"اگرچہ محسن کاکوری کے بعد اردو قصیدے کا باب ختم ہو جاتا ہے لیکن میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ایسے قصائد کو پھر رائج کیا جائے۔ جس میں ملک و قوم کے عظیم رہنماؤں، خادموں اور پرستاروں کی تعریف معقول پیرائے میں کی جائے۔ اور ہم کبھی کبھی اپنے قدیم ورثے کی طرف بھی نظر اٹھا کر دیکھیں کہ اس گدڑی میں کیسے کیسے لعل پوشیدہ ہیں۔"(17)

اردو قصیدہ نگاری کی روایت اگرچہ ابتدائی طور پر درباری اور سیاسی مدح سرائی سے وابستہ تھی، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس کی معاشرتی اور ادبی حیثیت برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی۔ انیسویں صدی میں جب درباری سرپرستی کا خاتمہ ہوا اور انعام و اکرام کا سلسلہ بند ہوا تو شعرا نے قصیدے کی علمی، ادبی اور سماجی جہات کو سنوارنے کی کوشش کی۔ تاہم، عوامی دلچسپی میں کمی اور علمی تنزلی کے باعث یہ صنف عمومی قبولیت سے محروم ہو گئی۔ طویل قصائد صرف رسائل و جرائد کی زینت بن کر رہ گئے جبکہ مختصر قصائد مخصوص مجالس تک محدود ہو گئے۔ سماجی و علمی زوال نے اس صنف پر منفی اثرات ڈالے لیکن اس کی مذہبی و سیاسی اہمیت باقی رہی۔ جدید دور میں قصیدہ کو دوبارہ فروغ دینے کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے تاکہ اس صنف کو نئے معیاری سانچوں میں ڈھال کر نہ صرف قومی شخصیات کو خراجِ تحسین پیش کیا جا سکے بلکہ اپنے علمی و ادبی ورثے سے بھی تعلق برقرار رکھا جا سکے۔ اس طرح قصیدہ صرف ماضی کی علامت نہیں بلکہ حال کی ادبی ضرورت بھی بن سکتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ جلال الدین احمد جعفری، مولانا، تاریخ قصائد اردو، لاہور: نولکشور کتب خانہ، 1962، ص:11

2۔ ترکی انگریزی لغت، استنبول: ریڈہاؤس پریس، 1999ص:1458

3۔ جوشؔ، ملیح آبادی، دیوانِ جوش، لاہور: ادارۂ اشاعتِ ادب، 1965ص:46

4۔ اثرؔ، سید امداد امام، کاشف الحقائق، لاہور: مکتبہ معین الادب، جلد دوم، 1956، ص:195

5۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد دوم، ص:796(انگریزی)

6۔ رؤف بالبکی، المورد: جدید عربی، انگریزی لغت: دار العلم للملایین، 1995، ص:546

7۔ ایضاً

8۔ حالی، مولانا الطاف حسین، مقدمہ شعر و شاعری، لاہور: اردو پبلک لائبریری، 2006، ص:16

9۔ علی گڑھ تاریخ اردو ادب، شعبۂ اردو، علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ص:394

10۔ کلیم الدین احمد، اُردو شاعری پر ایک نظر، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 1994، ص:198241ء

11۔ اثرؔ، سید امداد امام، کاشف الحقائق جلد دوم، ص229

12۔ ایضاً، ص:232

13۔ ابو محمد سحر، اُردو میں قصیدہ نگاری، لاہور: مجلس ترقیِ ادب، 2001، ص:273

14۔ محمد کمال الدین، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو قصیدہ نگاری، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 2007ص:288

15۔ ابو محمد سحر، اُردو میں قصیدہ نگاری، ایضاً، ص:268

16۔ محمد کمال الدین، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو قصیدہ نگاری، ایضاً، ص:289

17۔ اُم ہانی اشرف، ڈاکٹر، اُردو میں قصیدہ نگاری، دہلی: ادارۂ ادب و ثقافت، 2012ص:47

Refrences:

1. Jafari, Maulana Jalaluddin Ahmad. *Tarikh-e-Qasaid-e-Urdu*. Lahore: Nolakshor Kutub Khana, 1962, p. 11.
2. *Turkish-English Dictionary*. Istanbul: Redhouse Press, 1999, p. 1458.
3. Josh Malihabadi. *Diwan-e-Josh*. Lahore: Idara-e-Isha'at-e-Adab, 1965, p. 46.
4. Asar, Syed Imdad Imam. *Kashf-ul-Haqaiq*, Vol. II. Lahore: Maktaba-e-Mu'in-ul-Adab, 1956, p. 195.
5. *Encyclopaedia of Islam*, Vol. II, p. 796.
6. Balabakki, Raouf. *Al-Mawrid: Modern Arabic-English Dictionary*. Beirut: Dar al-Ilm lil-Malayeen, 1995, p. 546.
7. ———. *Ibid.*
8. Hali, Maulana Altaf Husain. *Muqaddama-e-Sher-o-Shairi*. Lahore: Urdu Public Library, 2006, p. 16.
9. Department of Urdu, Aligarh Muslim University. *Tareekh-e-Urdu Adab*. Aligarh: AMU, n.d., p. 394.
10. Ahmed, Kaleemuddin. *A Glance at Urdu Poetry*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1994, p. 241.
11. Asar, Syed Imdad Imam. *Kashf-ul-Haqaiq*, Vol. II, p. 229.
12. ———. *Ibid.*, p. 232.
13. Abu Muhammad Sahar. *Urdu Mein Qasida Nigari*. Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 2001, p. 273.
14. Dr. Muhammad Kamaluddin. *Bisween Sadi Mein Urdu Qasida Nigari*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2007, p. 288.

15. Abu Muhammad Sahar. *Urdu Mein Qasida Nigari*, p. 268.
16. Dr. Muhammad Kamaluddin. *Bisween Sadi Mein Urdu Qasida Nigari*, p. 289.
17. Dr. Umm-e-Hani Ashraf. *Urdu Mein Qasida Nigari*. Delhi: Idara-e-Adab-o-Saqafat, 2012, p. 47.

Bibliography:

Ahmed, Kaleemuddin. *A Glance at Urdu Poetry*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1994.

Ashraf, Umm-e-Hani, Dr. *Urdu Mein Qasida Nigari*. Delhi: Idara-e-Adab-o-Saqafat, 2012.

Asar, Syed Imdad Imam. *Kashf-ul-Haqaiq*, Vol. II. Lahore: Maktaba-e-Mu'in-ul-Adab, 1956.

Balabakki, Raouf. *Al-Mawrid: Modern Arabic-English Dictionary*. Beirut: Dar al-Ilm lil-Malayeen, 1995.

Department of Urdu, Aligarh Muslim University. *Tareekh-e-Urdu Adab*. Aligarh: AMU, n.d.

Encyclopaedia of Islam, Vol. II.

Hali, Maulana Altaf Husain. *Muqaddama-e-Sher-o-Shairi*. Lahore: Urdu Public Library, 2006.

Jafari, Maulana Jalaluddin Ahmad. *Tarikh-e-Qasaid-e-Urdu*. Lahore: Nolakshor Kutub Khana, 1962.

Josh Malihabadi. *Diwan-e-Josh*. Lahore: Idara-e-Isha'at-e-Adab, 1965.

Kamaluddin, Muhammad, Dr. *Bisween Sadi Mein Urdu Qasida Nigari*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2007.

Sahar, Abu Muhammad. *Urdu Mein Qasida Nigari*. Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 2001.

Turkish-English Dictionary. Istanbul: Redhouse Press, 1999.